شعلۂ حسن

(۱)

ڈگری لینے کے بعد میں قریب قریب روز پبلک لائبریری جایا کرتا تھا۔ اخباروں اور کتابوں کا مطالعہ کرنے کے لیے نہیں۔ کتابوں کو تو میں نے چھونے کی قسم کھالی تھی جس دن گزٹ میں اپنا نام دیکھا اُسی دن مِل اور کینٹ کے پُرزے پُرزے کر دیئے۔ میں صرف اسٹیٹسمین اور پایونیر کے "وانٹڈ" کالموں کو دیکھا کرتا تھا۔ فکر معاش دامنگیر تھی۔ میرے دادا نے بغاوت کے زمانے میں کسی انگریز افسر کی جان بچائی ہوتی۔ یا قبضہ میں کثیر موروثی جائداد ہوتی تو کسی معزز عہدے کے لیے کوشش کرتا۔ اب میرے لیئے بجز زندگی کے دن کاٹنے کے اور کیا تھا؟ معلوم نہیں لیڈر میں ایسے اشتہارات کیوں نہیں

ہوتے۔ اخبار اشتہاروں کی آمدنی پر چلتے ہیں۔ یہاں کی ضرورتیں اسکول ماسٹروں تک ختم ہو جاتی ہیں۔ کیا ہمارے فیشن ایبل ہندوستانیوں کو گھوڑوں اور موٹروں اور کتوں اور زیوروں کی خرید و فروخت کی ضرورت نہیں ہے؟ غالباً یہ لوگ اپنی ضرورتیں انگریزی اخباروں سے پوری کرتے ہوں گے۔ خیر مہینوں اسی طرح دوڑتے گزر گئے۔ اپنے مزاج کے موافق کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ مجھے اکثر اپنے بی۔ اے ہونے پر غصہ آتا تھا۔ کاش ڈرائیور یا فائرمین۔ خانساماں یا باورچی ہوتا تو مجھے اتنا انتظار نہ کرنا پڑتا۔

آخر ایک روز مجھے اپنی مرضی کے موافق ایک "مانگ" نظر آئی کسی رئیس کو ایک پرائیویٹ سیکرٹری کی ضرورت تھی۔ جو اعلیٰ درجہ کا تعلیم یافتہ۔ رنگین طبع۔ خوش مذاق اور وجیہہ ہو۔ تنخواہ ایک ہزار۔ درخواست کے ساتھ فوٹو بھی طلب کیا گیا تھا۔ میں اچھل پڑا۔ کاش تقدیر یاوری کرتی! اور یہ منصب میرے ہاتھ آتا۔ تو زندگی چین سے کٹ جاتی! اسی دن درخواست مع فوٹو روانہ کر دی مگر اپنے احباب سے اس کا ذکر نہ کیا کہ کہیں خفت نہ اٹھانی پڑے۔ دل ہر دم اسی خیال میں ڈوبا رہتا۔ بیٹھے بیٹھے شیخ چلی کے منصوبے باندھا کرتا۔ پھر ہوش میں آکر اپنے تئیں سمجھاتا کہ مجھ میں ایسے جلیل منصب کے لیے کونسی قابلیت ہے؟ میں ابھی کالج کا نکلا ہوا کتابی اصولی انسان ہوں۔ دنیا سے بے خبر۔ اس جگہ کے لیے ایک سے ایک عالم۔ فاضل منہ پھیلائے

بیٹھے ہوں گے۔ میرے لیے کوئی امید نہیں۔ میں خوش رد سہی۔ سجیلا سہی۔ مگر ایسے عہدوں کے لیے محض خوش رد ہونا کافی نہیں ہو سکتا۔ اس کے لکھنے کا منشا صرف اتنا ہوگا کہ سائل کو صرف کمزور نہ ہونا چاہیئے اور یہی معقول بھی ہے بلکہ بہت سجیلا پن تو مناصب گرامی کے لیے کچھ خلاف شان ہے۔ مختصر سا توند۔ بھرا ہوا بدن۔ پھولے ہوئے رخسارے اور تحکمانہ انداز تقریر یہ حکومت اور رعب کے لوازمات ہیں۔ اور مجھے ان میں سے ایک بھی میسّر نہیں۔ میرے لیے کیا اُمید ہو سکتی ہے؟ اسی امید و بیم کی حالت میں ایک ہفتہ گزر گیا اور اب میں بالکل مایوس ہو گیا۔ سوچا میں بھی کیسا احمق ہوں کہ ایسی بے سر پیر کی بات کے پیچھے پھُول اٹھا۔ اسی کو لونڈا پن کہتے ہیں۔ جہاں تک میرا خیال ہے اس اشتہار کی کوئی اصلیت نہیں۔ کسی ستم ظریف نے آج کل کے تعلیم یافتہ آدمیوں کی حماقت کا امتحان لینے کے لیے یہ شگوفہ چھوڑا ہے۔ میں بھی کتنا کوتہ اندیش ہوں کہ یہاں تک بھی نگاہ نہ پہنچی۔

آٹھویں دن علی الصبح تار کے چپڑاسی نے مجھے آواز دی۔ میرے کلیجہ میں گدگدی سی ہونے لگی۔ لپکا ہوا آیا۔ تار کھول کر دیکھا۔ لکھا تھا "منظور ہے۔ فوراً آؤ۔ عیش کرو"، مگر اس تار کے ملنے سے مجھے وہ خوشی نہ ہوئی جس کی امید تھی۔ میں اُسے لیے کچھ دیر تک سوچتا رہا۔ اعتبار نہ آتا تھا۔ ضرور کسی ستم ظریف کی شرارت ہے مگر خیر کوئی مضائقہ نہیں۔ مجھے بھی اس کا دندان شکن جواب دینا چاہیئے کیوں

نہ تار دیدوں ایک ماہ کی تنخواہ پیشگی بھیج دو۔ آپ ساری کیفیت کھل جائے گی لیکن پھر سوچا کہیں فی الواقع طالع خفتہ بیدار ہوا ہو تو اس قسم کی حماقت سے بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔ چلو دل لگی سہی۔ زندگی میں یہ واقعہ بھی یاد رہے گا۔ اس طلسم کو کھول ہی ڈالوں۔ فوراً تار سے اپنی روانگی کی تاریخ کی اطلاع دی اور سیدھا ریلوے اسٹیشن پہنچا۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ یہ مقام دکن کی طرف ہے۔ ٹائم ٹیبل میں اس کا ذکر مفصل لکھا تھا۔ مقام بہت خوش منظر سیر کے قابل ہے۔ آب و ہوا بہت اچھی نہیں مگر مضبوط جسم کے نوجوانوں پر اس کا اثر دیر میں نظر آتا ہے وادیاں تاریک ہیں۔ ان میں گھسنا خطرناک ہے۔ کیونکہ زہریلے جانور بہت چھپے رہتے ہیں۔ غرض حالات کافی طور پر اشتیاق انگیز تھے۔ آکر مختصر سامان سفر درست کیا اور خدا کا نام لے کر چل کھڑا ہوا۔ اپنے عزیزوں اور دوستوں سے اس کا مطلق ذکر نہ کیا۔ کیونکہ مجھے یقین تھا کہ دو چار دن میں اپنا سا منہ لیے لوٹوں گا۔ اس وقت شماتت ہمسایہ کا خوف نہ ہوگا

(۲)

گاڑی پر بیٹھا تو شام ہوگئی تھی۔ کچھ دیر تک تو سگار اور اخبار سے دل بہلاتا رہا۔ پھر معلوم نہیں کب نیند آگئی۔ آنکھ کھلی اور کھڑکی سے باہر کی طرف جھانکا تو صبح کا دل فریب نظارہ دکھائی دیا۔ دونوں طرف سبزہ سے ڈھکے ہوئے کہسار تھے۔ ان پر چرتی ہوئی اُجلی اُجلی گائیں اور بھیڑیں آفتاب کی سنہری شعاعوں میں رنگی ہوئی ایسی معلوم

ہوتی تھیں۔ جیسے ندی میں چمکتے ہوئے تارے۔ جی چاہتا تھا۔ کاش میرا آشیانہ بھی انہیں پہاڑیوں میں ہوتا! جنگل کے پھل کھاتا۔ جھرنوں کا خوشگوار پانی پیتا اور قدرت کے گیت گاتا۔ دفعتہً منظر بدلا۔ ایک دبیز جھیل پہاڑوں کے دامن میں نظر آئی۔ کہیں مرغابیاں تیرتی تھیں۔ کہیں چھوٹی چھوٹی ڈونگیاں۔ ارادہ کمزور کی طرح ڈگمگاتی ہوئی چلی جاتی تھیں۔ یہ منظر بھی بدلا۔ پہاڑیوں کی گود میں ایک آباد گلزار گاؤں نظر آیا۔ جھاڑیوں اور درختوں سے ڈھکا ہوا جیسے طائروں نے درختوں پر عافیت کے آشیانے بنائے ہوں۔ کہیں بچے کھیلتے تھے۔ کہیں گائے کے بچھڑے کلیلیں کرتے تھے۔ پھر ایک گھنا جنگل ملا۔ غول کے غول ہرن نظر آئے جو گاڑی کی آواز سنتے ہی چوکڑیاں بھرتے دور بھاگتے تھے۔ یہ سب مناظر خواب کی تصویروں کی طرح نظر آتے تھے اور آنکھوں سے چھپ جاتے تھے ان میں ایک ناقابل بیان شاعرانہ دلاویزی تھی۔ جو دل میں حسرت اور شوق کا جادو پھونکتی تھی۔

آخر بیش گڑھ قریب آیا۔ میں نے بستر سنبھالا۔ ذرا دیر میں اسٹیشن کا سگنل دکھائی دیا۔ میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ گاڑی رکی۔ میں نے ادھر اُدھر قلیوں کی تلاش میں نظر دوڑائی۔ کہ دو وردی پوش آدمیوں نے آکر مجھ سے پوچھا۔ آپ ہی ..... سے تشریف لا رہے ہیں؟ چلئے موٹر حاضر ہے۔ میری باچھیں کھل گئیں تحکمانہ انداز سے موٹر پر جا بیٹھا دل میں نام تھا کہ اسباب اور لباس اس سے بہتر کیوں نہ ہوئے۔ اگر

جانتا کہ ستارہ سچ مچ چمکا ہے تو ہرگز اس پریشان حالی سے نہ آتا۔ موٹر چلا۔ دو رویہ مولسریوں کے سایہ دار درخت تھے۔ سڑک پر سرخی بچھی ہوئی تھی۔ دونوں طرف سبزہ زار تھا۔ سڑک کمان کی طرح خم کھاتی۔ اس میدان سے نکل گئی تھی۔ دفعتہً سامنے ایک پُر فضا ساگر دکھائی دیا۔ اور ساگر کے اُس پار پہاڑیوں پر ایک عالی شان محل تھا جس کا شکوہ درخشاں پرستان کی یاد دلاتا تھا۔ محل حرص رفعت کی طرح متین اور پرسکون سارا منظر نغمہ اور حسن اور شعر کا مسکن معلوم ہوتا تھا۔

ہم صدر دروازہ پر پہنچے۔ کئی خدمت گاروں نے آکر ہمارا خیر مقدم کیا۔ ان کے ساتھ ایک منشی جی آنکھوں میں سرمہ لگائے کاکلیں سنوارے نظر آئے جو مجھ سے بڑے تپاک سے ملے۔ میرے لیے ایک کمرہ پہلے ہی سے آراستہ تھا۔ منشی جی نے مجھے اس کمرہ کے دروازہ پر پہنچا دیا۔ اور بولے۔ سرکار نے فرمایا ہے۔ اس وقت آپ آرام فرمائیں تکلیف کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ شام کو تشریف لائیے گا۔

مجھے اب تک خبر نہ تھی کہ سرکار کون ہیں۔ نہ کسی سے پوچھنے کی جرأت ہوئی۔ اپنے آقا کے نام تک سے بے خبر رہنے کا الزام نہیں لینا چاہتا تھا مگر چاہے کوئی ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ شخص شرافت کا تیلا ہے۔ مجھے اتنی خاطر مدارات کی ہرگز امید نہ تھی۔ اپنے کمرہ میں آرام کرسی پر لیٹا تو مسرت سے میری آنکھیں لبریز ہوگئیں۔ سامنے چھجّا

تھا۔ نیچے جھیل تھی۔ سانپ کے کینچل کی طرح سیاہ و سفید۔ اور میں جسے تقدیر نے ہمیشہ اپنا سوتیلا لڑکا سمجھا تھا۔ اس وقت زندگی میں پہلی بار خالص مسرت کا لطف اٹھا رہا تھا۔ دائے بے خبری۔

سہ پہر کو سرمہ باز منشی جی نے آکر اطلاع دی کہ سرکار نے یاد فرمایا ہے۔ میں نے اس اثناء میں خط صاف کر لیے تھے۔ پھر اپنا بہترین سوٹ پہنا اور سرکار کی خدمت میں چلا۔ اس وقت دل میں ایک قسم کی کمزوری سی محسوس ہوتی تھی۔ لیکن میں اپنی قابلیت کا بہترین اظہار کرنے کے لیے تیار تھا۔ ہم کئی برآمدوں سے ہوتے ہوئے آخرکار سرکار کے دروازے پر پہنچے۔ ایک ریشمی پردہ پڑا ہوا تھا۔ منشی جی نے پردہ اٹھا کر مجھے اشارہ سے بلایا۔ میں اندر داخل ہوا اور حیرت سے ششدر رہ گیا۔ میرے سامنے حسن کا ایک شعلہ دہک رہا تھا۔

(۳)

پھول میں بھی حسن ہے۔ شعلہ میں بھی حسن ہے۔ پھول میں طراوت اور تازگی ہے۔ شعلہ میں سوز اور تپش۔ پھول پر بھونرا اڑ اڑ کر اس کا رس لیتا ہے۔ شعلہ پر پروانہ جل کر راکھ ہو جاتا ہے۔ میرے سامنے اس وقت زرنگار مسند پر جو نازنین شان سے بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ فی الواقع حسن کا شعلہ تھی۔ اس کی مخمور آنکھوں سے جانسوز حرارت کی شعاعیں نکل رہی تھیں۔ پھول کی پنکھڑیاں ہو سکتی ہیں۔ شعلہ کو بکھیرنا

ممکن نہیں۔ اس کے ایک ایک عضو کی تعریف کرنا شعلہ کو کاٹنا ہے اس کا سر تا پا ایک شعلہ تھا۔ وہی دمک۔ وہی سُرخی۔ کوئی مصوّر سطوتِ حسن کی اس سے بہتر تصویر خیال میں نہیں لا سکتا۔

اس نے میری طرف مربیانہ انداز سے دیکھ کر کہا۔ آپ کو دورانِ سفر میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟

میں نے اپنے تئیں سنبھال کر جواب دیا۔ جی نہیں کوئی خاص تکلیف نہیں ہوئی۔

نازنین۔ یہ مقام پسند آیا؟

میں نے دلیرانہ سرگرمی سے جواب دیا۔ اس سے زیادہ دل کش مقام روئے زمین پر نہ ہوگا۔ ہال گائڈ بک سے معلوم ہوا کہ یہاں کی آب و ہوا بظاہر جتنی خوشگوار ہے فی الواقع ایسی نہیں۔ کچھ خطرناک جانوروں کی بھی شکایت تھی۔

نازنین کا چہرہ زرد ہو گیا۔ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ اس کے جسم میں رعشہ آ گیا۔ مگر دم زدن میں اس کے چہرہ پر پھر اسی غرور و متانت کا جلوہ نظر آیا۔ بولی۔ یہ مقام اپنی خوبیوں کے باعث اکثر حاسدوں کی آنکھوں میں کھٹکتا ہے۔ ہنر کے حاسد بہت ہوتے ہیں اور بالفرض آب و ہوا میں کچھ نقص ہو بھی تو ماشاء اللہ ابھی آپ کا عالم شباب ہے۔ آپ کو اس کا کیا غم ہو سکتا ہے۔ رہے زہریلے جانور۔ وہ آپ کی نظروں کے سامنے موجود ہیں۔ اگر مور اور ہرن اور بلبل زہریلے جانور ہیں۔ تو

بے شک یہاں زہریلے جانوروں کی کثرت ہے۔
یہ کہہ کر اس نے میری طرف مستانہ نگاہوں سے دیکھا۔
میں نے جوش کے ساتھ جواب دیا۔ ان گامڈ بکوں پر اعتبار کرنا سراسر جہل اور حماقت ہے۔

اس جملے سے نازنین کے دل پر کوئی خاص اثر ہوا۔ بولی آپ صاف گو معلوم ہوتے ہیں۔ اور یہ انسان میں ایک جوہر ہے۔ میں آپ کی تصویر دیکھتے ہی اتنا سمجھ گئی تھی۔ آپ کو سن کر تعجب ہوگا۔ کہ میرے پاس ایک لاکھ سے زائد درخواستیں آئی تھیں کتنے ہی ایم۔ اے تھے۔ کوئی ڈی۔ ایس۔ سی تھا۔ کوئی انگلستان سے پی۔ ایچ ڈی کی ڈگری پا چکا تھا۔ گویا یہاں مجھے کسی ریاضی یا عملی مسئلہ کی تحقیقات مدنظر نہ تھی۔ کئی بزرگوں نے اپنی کبرسنی کی بنا پر درخواست کی تھی۔ جن کی دوا دارو کے لیے مجھے حکیموں کی ضرورت ہوتی۔ سب سے زیادہ درخواستیں انہیں لوگوں کی تھیں۔ جو کتاب کے کیڑے ہوتے ہیں۔ اور آداب و اخلاق کے سراپا کرتے ہیں۔ ان کی دانست میں اس ملک میں سب سے زیادہ ضرورت عابدوں اور مولویوں کی ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ انہیں حضرات نے اس ملک کا ستیاناس کیا ہے اخلاقی تعلیم کا اب زمانہ نہیں رہا۔ روایات قدیم قصہ کہانیوں کے لیے مخصوص ہیں۔ یہ زمانہ مادیت اور مادّی تعلیم کا ہے۔ جب کہ لوگ سامان عیش پر اپنے تئیں قربان کر دیتے ہیں۔ میں نے وہ سب درخواستیں ردّی کی ٹوکری میں ڈال دیں سچ کہتی ہوں۔ سینکڑوں درخواستیں انہیں اخلاقی رفارمروں کی تھیں۔ وہ اپنی تصانیف کو سند کے طور پر پیش کرتے تھے۔ صورتیں ایک سے ایک قابل دید! جنہیں دیکھ کر

گھنٹوں ہنسے ۔ میں نے انہیں ایک البم میں لگا دیا ہے ۔ اور فرصت کے وقت جب ہنسنے کو جی چاہتا ہے ۔ تو انہیں دیکھا کرتی ہوں ۔ وہ علم اور کمال جو چہرہ کو بگاڑ دے ۔ اور انسان سے بن مانس بنا دے ، مرض ہے ۔ آپ کی تصویر دیکھتے ہی میری نظر انتخاب نے فیصلہ کر لیا ۔ اور شکر ہے کہ میری نگاہ نے غلطی نہ کی ۔

اس نے میری طرف چشمہائے پرفسوں سے دیکھا ۔ اس کی آواز میں نغمگی تاثیر تھی ۔ نورانی اور دلاویز ، اور اس کے خیالات نئی روشنی کے خیالات تھے حقیقی لباس میں ، برہنہ اور ہولناک مگر اس آخری جملہ نے جو مجھ سے تعلق رکھتا تھا ۔ مجھے متوالا کر دیا ۔ میری رگوں میں رعشہ سا آ گیا ۔ معلوم نہیں کیوں ؟ معنوی خوبیوں کے مقابلہ میں ظاہری اور صاف کی تعریف سے ہم زیادہ محظوظ ہوتے ہیں ۔ اور ایک حسینہ کی زبان پر تو وہ چلتا ہوا جادو ہے ۔ میں بولا حتی الامکان جناب کو مجھ سے شکایت کا کوئی موقعہ نہ ملے گا ۔

حسینہ نے معترف انداز سے میری طرف دیکھ کر فرمایا ۔ مجھے اس کا یقین ہے میری قیافہ شناشی نے اتنا پہلے ہی بتلا دیا تھا ۔ اب کچھ معاملہ کی گفتگو ہو جانی چاہیے یہاں آپ میرے مہمان رہیں گے ۔ اس جھونپڑے کو خانۂ بے تکلف سمجھئے ۔ میرے تعلقات نہایت وسیع ہیں ۔ دنیا کے ہر ایک گوشہ میں میرے کرم فرما موجود ہیں ۔ اور مجھے اکثر یاد کیا کرتے تھے ۔ ان احباب کو میں آپ کے سپرد کرتی ہوں ۔ ان میں آپ مختلف مزاج اور خواص کے انسان پائیں گے ۔ کوئی مجھ سے مدد مانگتا ہے ۔ کوئی میری شکایت کرتا ہے ۔ کوئی مجھے سراہتا ہے ۔ کوئی مجھے کوستا ہے ۔ اب سب حضرات کو شافی جواب دینا آپ کا کام ہوگا ۔ دیکھئے ۔ یہ آج کے خطوط کا انبار ہے ۔

ایک صاحب فرماتے ہیں، بہت عرصہ ہوا، آپ کی تحریک سے اپنے بڑے بھائی کے انتقال کے بعد ان کی جائداد پر قبضہ کر لیا تھا۔ اب ان کا لڑکا بالغ ہو گیا ہے اور مجھے اپنی جائداد کی واپسی کے لیے مجبور کرتا ہے۔ اتنے عرصے تک میں اس جائداد پر قابض تھا۔ اس سے دست بردار ہونا شاق گزرتا ہے۔ اب آپ کے مشورہ کا منتظر ہوں۔ انہیں جواب دیجئے۔ کہ فی الحال لطائف الحیل سے کام لو۔ لڑکے سے ہمدردی ظاہر کرو، اسے ٹالو۔ تب اسے غافل پاکر اس سے ایک سادے اسٹامپ پر دستخط کرالو۔ بعد ازاں پٹواری اور دیگر عمال کی مدد سے اس اسٹامپ پر جائداد کا بیعنامہ لکھا دو۔ اگر ایک خرچ کر کے دو ملتے ہوں تو تامل نہ کرو۔

مجھے اس جواب پر سخت حیرت ہوئی۔ اخلاقی احساس کو چوٹ سی لگی۔ اس کی طرف مشتبہ نگاہوں سے دیکھ کر بولا۔ یہ تو انصاف سے بعید معلوم ہوتا ہے۔

نازنین کھل کھلا کر ہنس پڑی۔ اور بولی۔ "انصاف! یہ کتابی عالموں کا ایجاد کیا ہوا گورکھ دھندا ہے۔ دنیا میں اس کا وجود نہیں، باپ قرض کھا کر مر جائے۔ لڑکا کوڑی کوڑی بھرے۔ علماء کے نزدیک یہ انصاف ہے! میں اسے ظلم کہتی ہوں۔ اس انصاف کے پردے میں گانٹھ کے پورے مہاجن کی دست درازی صاف نظر آتی ہے۔ ایک ڈاکو کسی سرکاری عملہ کے گھر میں ڈاکہ مارتا ہے اور گرفتار ہو کر جیل خانے جاتا ہے۔ علماء اسے انصاف کہتے ہیں۔ مگر یہاں بھی وہی دولت اور حکومت کی زبردستی ہے۔ عملے صاحب نے کتنے ہی گھروں میں ڈاکا مارا۔ اور کتنوں ہی کا گلا دبا دیا۔ اور اس طرح روپیہ کا انبار جمع کیا۔ کسی کو ان کے خلاف زبان کھولنے کی جرأت نہ ہوئی۔ ڈاکو نے جب ان کا گلا دبایا تو وہ اپنی دولت، ہوشیاری

چالاکی، فریب اور طاقت کا راج ہے۔ یہی کارزارِ ہستی ہے۔ یہاں ہر ایک تدبیر جس سے ہمارا کام نکلے۔ جس سے ہم اپنے دشمنوں پر ظفر یاب ہوں۔ جائز اور مباح ہے۔ دھرم یدھ کے دن اب نہیں رہے۔ یہ دیکھیے، ایک دوسرے صاحب کا شکایت نامہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ میں نے اوّل میں ایم۔ اے پاس کیا۔ اوّل درجہ میں قانون کی سند حاصل کی ہے۔ پر اب کو میری بات نہیں پوچھتا۔ اب تک امید تھی۔ کہ قابلیت اپنا اثر ضرور دکھائے گی۔ مگر تین سال کے تجربہ سے معلوم ہوا کہ یہ محض کتابی قانون ہے۔ اس عرصہ میں بزرگوں کی کمائی بھی گاؤخورد ہو گئی۔ اب مایوس ہو کر آپ کے آستانہ پر فرق نیاز جھکاتا ہوں۔ مجھ بدنصیب کے حال زار پر رحم کیجیے۔ اور میرا بیڑا پار لگائیے۔ انہیں جواب دیجیے۔ کہ جعلی دستاویزیں بنائیے۔ اور فرضی موکلوں کی طرف سے دعویٰ دائر کر کے ڈگری کرا لیجیے۔ یقیناً چند ماہ میں آپ کی نحوست دور ہو جائے گی۔ یہ دیکھئے۔ ایک اور صاحب فرماتے ہیں۔ لڑکی سیانی ہو گئی ہے۔ جہاں جاتا ہوں۔ لوگ جہیز کی گٹھری مانگتے ہیں۔ یہاں نان شبینہ کا ٹھکانا نہیں۔ کسی طرح وضعداری نبھاتا ہوں، بدنامی ہو رہی ہے۔ جیسا ارشاد ہو تعمیل کروں۔" انہیں لکھیے، کسی ہفتاد سالہ صاحب جائداد بوڑھے سے شادی کر لیجیے۔ وہ جہیز لینے کی بجائے دینے پر تیار ہو جائے گا۔ میرے خیال میں اب آپ سمجھ گئے ہوں گے۔ کہ ایسے سائلوں کو کس قسم کا جواب دینے کی ضرورت ہے؟ جواب مختصر ہوں۔ بہت زیادہ توجیہہ اور تشریح کی ضرورت نہیں۔ ابھی چند روز یہ کام آپ کو مشکل معلوم ہو گا۔ اکثر کاموں میں آپ کو غور و خوض سے کام لینا پڑے گا۔ مگر آپ طبّاع آدمی ہیں۔ بہت جلد مہارت ہو جائے گی۔

آپ کی ذات سے ہزاروں بندگانِ خدا کا بھلا ہوگا۔ اور وہ آپ کا جس گائیں گے۔

(۴)

مجھے یہاں رہتے ایک ماہ کے قریب ہو گیا۔ مگر اب تک مجھے یہ نہ معلوم ہوا۔ کہ میں کس کا نمک خوار ہوں۔ وہاں دولت کی کمی نہ تھی۔ تکلفات کے سامان وافر کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ کہ یہ دولت کہاں سے آتی ہے؟ ایک بار سرمہ بار منشی جی سے میں نے اشارۃً اس کا ذکر چھیڑا تھا۔ انہوں نے کہا ان کے ذرائع غیر محدود ہیں۔ دنیا کے ہر ایک گوشہ میں ان کے مرید موجود ہیں۔ وہ انہیں نذریں دیا کرتے ہیں۔ اس سے میں نے یہ اخذ کیا تھا کہ شاید یہاں پیری مریدی کا کوئی سلسلہ ہے۔ مگر یہ نازنین کون ہے؟ آیا کوئی خوش نصیب پروانہ ہے۔ جو اس شعلہ پر نثار ہوتا ہے؟ یہ راز سربستہ ہی رہا۔ مجھے قریب قریب روز اس سے نیاز حاصل ہوتا تھا۔ آہ! اس کے روبرو بیٹھ کر میں بے خود ہو جاتا تھا۔ اس کی نگاہوں میں زبردست قوت جاذبہ تھی۔ جو میری روح کو رگوں سے کھینچ لیا کرتی تھی۔ میرا یارائے گفتار سلب ہو جاتا تھا۔ بس چھپی ہوئی۔ دزدیدہ آنکھوں سے تاکا کرتا۔ وہ بھی مجھ سے غیر ملتفت نہ تھی۔ پر نہ معلوم کیوں۔ مجھے اس کی زہر انگیز نگاہوں اور پرشوق اداؤں میں محبت کی جھلک نظر نہ آتی تھی؟ نگاہیں تیر کی طرح ضرور چھیدتی تھیں مگر ... حرف بے تاب کرتے تھے۔ شکاری کو اپنا شکار کھلانے میں جو لطف آتا ہے۔ وہی بے رحمانہ مسرت اس نازنین کو میری وارفتگی سے حاصل ہوتی تھی وہ شعلہ دل بے تاب کو کیا تسکین دے سکتا ہے؟ باوجود اس کے میں پروانہ وار اس شعلہ پہ نثار ہونا چاہتا تھا۔ مجھے اب تک عشاق کا مرغ بسمل کی طرح تڑپنا محض ...

تخیل معلوم ہوتا تھا۔ پر اس وقت میری بعینہٖ یہی حالت تھی۔ جی چاہتا تھا۔ کہ کسی طرح ان قدموں پر سر رکھ کر جان دے دوں۔ رفعت حسن نے دل سے شوق اور تمنا کو مٹا کر صرف جانبازی کی حسرت رکھ چھوڑی تھی۔ کبھی کبھی جب وہ اپنے تیز رو موٹر بوٹ پر بیٹھ کر ساگر کی سیر کرتی۔ تو ایسا معلوم ہوتا تھا۔ گویا شفق میں چاند تیر رہا ہے۔

اپنے کار منصبی میں مجھے اب کافی مہارت ہو گئی تھی۔ روز خطوط کا ایک دفتر میرے پاس آتا معلوم نہیں کس ڈاک سے ان پر مہر کا کوئی نشان نہ ہوتا تھا۔ مجھے ان سائلوں میں اکثر وہ اسمائے گرامی نظر آئے جن کی اب تک میرے دل میں سچی عزت تھی۔ کتنے ہی ایسے حضرات تھے۔ جن کی میں پرستش کرتا تھا، بڑے بڑے نامور پروفیسر، اور مصنف، بڑے بڑے صاحب ثروت، روسا حتیٰ کہ کتنے ہی ہادیان مذہب روز اپنی مصیبت کی داستان سناتے۔ ان کی حالتیں واقعی قابلِ رحم تھیں۔ مجھے رفتہ رفتہ یہ معلوم ہو جاتا تھا۔ کہ ابتدار آفرینش سے باوجود لاکھوں صدیاں گزر جانے کے انسان ویسا ہی وحشی، ویسا ہی غضب ناک، جذبات کا غلام ویسا ہی خود غرض، ویسا ہی خونخوار بنا ہوا ہے۔ ہادیان دین اور معلمان اخلاق کی کوششیں مطلق کامیاب نہیں ہوئیں۔ بلکہ اس زمانہ میں لوگ سادگی کے باعث اس قدر کینہ پرست، اس قدر بغض پرور اور اپنی سفاکیوں میں اس قدر ہنرمند اور چالاک نہیں تھے۔ ان میں کتنے ہی خطوط شکریہ کے ہوتے تھے۔ اکثر چٹھیاں ان لوگوں کی ہوتی تھیں۔ جو کسی سابقہ موقع پر اس نازنین کے مشورہ پر عمل کر چکے تھے۔ اور اب اس کے نتائج بھگت رہے تھے۔ وہ زیادہ تر دشنام اور لعن طعن

سے پر ہوتی تھیں۔ ایک روز اپنے کالج کے ایک پروفیسر صاحب کا خط ملا یہ حضرت سب پروفیسروں سے زیادہ نیک نام تھے۔ اب مجھے معلوم ہوا، کہ ان کا نامۂ اعمال از سرتا پا سیاہ تھا۔ ان خطوط کو دیکھ کر اس تاریک، متعفن پستی کا اندازہ ہو سکتا تھا۔ جہاں تک انسان جا سکتا ہے۔ ایک ایک خط عبرت کا دفتر تھا۔ اور وائے برحال من! محض اپنے ذاتی فائدے کے لیے میں انسانی اور روحانی فرائض کو طاق پر رکھ کر گمراہیوں کا آلۂ تاریک بنا ہوا تھا۔ معلوم نہیں مجھ بدنصیب کے ہاتھوں کتنے گھر تباہ ہوئے ہوں گے۔ اور کتنی زندگیاں خاک میں مل گئی ہوں گی۔

ایک روز شام کے وقت نازنین نے مجھے یاد کیا۔ میں اپنی شوریدہ سری کے زعم میں سمجھتا تھا۔ کہ میرے مردانہ حُسن اور بانکپن کا اس پر ضرور کچھ نہ کچھ اثر ہوتا۔ اپنا بہترین سوٹ پہنا۔ بال سنوارے اور متین لاپرواہی کے ساتھ اس کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اگر وہ مجھے اپنا شکار بنا کر کھیلتی تھی۔ تو میں بھی شکار بن کر اسے کھلانا چاہتا تھا۔ اگر وہ جفا کار تھی۔ تو میں بھی اس کی تاثیرِ حُسن سے متاثر نہ ہونے کی کوشش کرتا تھا۔ اگر میں اسے رحم سمجھتا تھا۔ تو اسے بھی مجھے بے نیاز سمجھنے میں کوئی امر مانع نہ ہو سکتا تھا۔

اندر داخل ہوتے ہی اس نے ایک دلاویز تبسم سے میرا استقبال کیا۔ مگر چہرہ کچھ مضمحل تھا میں بے تاب ہو کر بولا۔ کیا دشمنوں کی طبیعت کچھ ناساز ہے؟

اس نے حسرتناک انداز سے جواب دیا۔ جی ہاں! قریب ایک مہینہ سے ایک درد لاحق ہو گیا ہے۔ اب تک طبیعت کو سنبھالتی رہی۔ پر اب مرض روز پکڑتا جاتا ہے۔ اس کی دوا ایک بڑے بے رحم آدمی کے پاس ہے۔ وہ مجھے روز تڑپتے

دیکھتا ہے۔ اور اس کا دل ذرا بھی نہیں پسیجتا۔"

میں کنایہ سمجھ گیا۔ بدن کی ایک ایک رگ میں بجلی کی سی حرکت ہو گئی۔ تنفس میں طوفان اُگیا۔ بے باک ہو کر بولا۔ ممکن ہے۔ جسے آپ نے بے رحم سمجھ رکھا ہے۔ اُسے آپ سے بھی یہی شکایت ہو۔ مگر حالات سے مجبور ہو کر حرف شکایت زبان پر نہ لا سکتا ہو۔

حسینہ نے کہا تو کوئی ایسا علاج بتلائیے۔ جس سے طرفین کی شکایتیں رفع ہو جائیں۔ بے تابیٔ درد نے مجھے بتا دیا ہے۔ میرے دل میں زیادہ پردہ داری کی گنجائش نہیں ہے۔ میرا دل و جان آپ کی نظر ہے۔ میرے وہ خزانے ہیں۔ جو کبھی خالی نہ ہوں گے۔ آپ کو میں شہرت کے معراج پر پہنچا دوں گی۔ میری آغوش میں آ کر دل بے قرار کو تسکین دیجیے۔

نازنین کا چہرہ سرخ انگارے کی طرح دہک رہا تھا۔ نشۂ شوق سے سرشار وہ آغوش کھولے ہوئے میری طرف بڑھی۔ مگر جس طرح تنکا شعلہ دور بھاگتا ہے۔ اُسی طرح میں ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اس گرمیٔ محبت سے مجھے ایک وحشت سی ہو گئی۔ دل پر ایک موہوم دہشت کا غلبہ ہوا، میں گھبرا گیا۔

حسینہ ٹھٹک گئی۔ جس طرح شکار کے چھن جانے سے شیرنی برہم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح قہر کی نگاہوں سے دیکھ کر بولی "یہ گریز کیوں"؟

میری زبان سے اضطراری طور پر نکلا۔ "میں آپ کا جاں نثار خادم ہوں۔ اس اعزاز کے قابل نہیں"۔

حسینہ نے غضب ناک ہو کر کہا "آپ مجھ سے نفرت کرتے ہیں"؟

میں نے مودبانہ انداز سے جواب دیا۔ "اس کا کبھی خواب میں بھی گمان نہ کیجیے۔ آپ شمع ہیں، میں پروانہ ہوں۔ میرے لیے اتنا ہی اعزاز کافی ہے۔ آپ ذرہ نوازی فرمانا چاہتی ہیں۔ تو سوچنے کا موقع دیجیے۔"

حسینہ غصہ مایوس کے ساتھ بیٹھ گئی۔ اور بولی، آپ سچ مچ ظالم اور بے رحم ہیں۔ میں آپ کو ایسا نہ سمجھتی تھی۔

میں نے زیادہ ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا۔ جب اپنے کمرہ میں آکر دل میں اس واقعہ کو تولنے لگا۔ تو مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میں انگن کنڈ میں گرتے گرتے بچا کوئی غیبی قوت میری معاون ہو گئی۔ یہ غیبی قوت کیا تھی؟ میرا اخلاقی احساس جو اتنے عرصہ تک مجہول رہنے کے بعد بھی بالکل بے جان پامال نہ ہوا تھا۔ میں اس کی صورت پر فریفتہ تھا۔ لیکن اس کی فتنہ بازیوں اور رابتہ فریبیوں سے نفرت کرتا تھا۔ جسم اس کی طرف خود بخود کھینچتا تھا۔ مگر روح دور بھاگتی تھی۔

(۵)

جس کمرہ میں میں مقیم تھا۔ اس کے سامنے جھیل کی دوسری طرف ایک چھوٹا سا شکستہ حال جھونپڑا تھا۔ اس میں ایک خمیدہ کمر مگر نورانی صورت پیر مرد رہا کرتے تھے۔ وہ کبھی کبھی اس محل میں آیا کرتے تھے۔ نازنین معلوم نہیں کیوں ان سے نفرت کرتی تھی۔ شاید دل میں ان سے خائف تھی۔ مجھے تعجب ہوتا تھا۔ کہ اتنی بار ثروت ہو کر بھی وہ ایک خستہ حال بڈھے سے کیوں ڈرتی ہے۔ انہیں دیکھتے ہی نازنین کا رنگ فق ہو جاتا تھا۔ اپنے کمرہ میں جا کر چھپ جایا کرتی تھی۔ دو چار مرتبہ اس نے مجھ سے بھی اشارۃً پیر مرد کا ذکر کیا تھا۔ لیکن بہت حقارت کے ساتھ۔

رات کو مجھے دیر تک نیند نہیں آیا۔ ادھیڑ بن میں مصروف تھا۔ کبھی جی چاہتا۔ کہ آؤ۔ آنکھ بند کر کے بہارِ حُسن لوٹیں۔ دنیا کی نعمتوں کا لطف اٹھائیں۔ جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔ ایسے زریں مواقع کہاں سے نصیب ہوتے ہیں۔ پھر خود بخود طبیعت کھنچ جاتی۔ اور لہام سا ہوتا کہ اس طلسم میں قدم نہ رکھنا ورنہ تا زیست نہ نکل سکو گے۔

رات کے دس بجے ہوں گے کہ دفعتہً میرے کمرے کا دروازہ خود بخود کھل گیا۔ اور وہی پیر مرد اندر داخل ہوئے۔ حالاں کہ میں اپنی مالکہ کی ناراضگی کے خوف سے کبھی ان سے ہم کلام نہ ہوا تھا۔ لیکن ان کے روئے مبارک پر تقدس کی ایسی شان تھی۔ کہ خواہ مخواہ ان کے فیض صحبت کا اشتیاق ہوتا تھا۔ میں نے تعظیم کی اور لا کر ایک کرسی پر بٹھا دیا۔ انہوں نے میری طرف ترحم کی نگاہ سے دیکھ کر پوچھا۔ میرا محل سونا ناگوار تو نہیں ہے۔

میں نے سر جھکا کر جواب دیا "جناب کی تشریف آوری میں عین اعزاز کا باعث ہے"

پیر مرد بولے۔ اچھا تو سنو اور ہوشیار ہو جاؤ۔ تمہارے اوپر ایک بلائے عظیم آنے والی ہے۔ تمہارے لیے اس وقت سب سے بہتر تدبیر یہی ہے۔ کہ یہاں سے چلے جاؤ۔ ورنہ تا زیست کفِ افسوس ملتے رہو گے۔ میرا جھونپڑا تمہارے سامنے تھا۔ مگر تم نے کبھی مجھ سے ملنے کی ضرورت نہ سمجھی۔ کاش تم پہلے دن مجھ سے ملتے تو ہزاروں خاندانوں کو تباہ کرنے والا عذاب تمہارے سر پر نہ ہوتا۔ تعجب تو یہ ہے، کہ تم ایسے بیدار مغز ہو کر اس دام میں کیوں کر آ پھنسے؟۔ اور اس سے زیادہ تعجب یہ ہے کہ پھنس کر تم کیوں کر نکل سکے۔ اگر حسینہ ایکبار تمہیں اپنے آغوش محبت میں لے لیتی۔

تو پھر تمہارے لیے کوئی امید نہ تھی۔ تم اسی وقت اس کے عجائب خانہ میں داخل کر دیئے جاتے۔ وہ جس پر ریجھتی ہے۔ اس کی یہی گت بناتی ہے۔ یہی اس کی محبت ہے۔ چلو ذرا اس عجائب خانہ کی سیر کرو تب تم سمجھو گے کہ تمہارے بامو قع گریز نے تمہیں کس آفت سے بچا لیا۔

یہ کہہ کر پیر مرد نے دیوار میں ایک بٹن دبایا۔ فوراً ایک دروازہ نمودار ہوا۔ وہ نیچے جانے کا زینہ تھا۔ پیر مرد داخل ہوئے اور مجھے بھی بلایا۔ تاریکی میں کئی زینے اترنے کے بعد ایک وسیع کمرہ نظر آیا۔ اس میں ایک چراغ ٹمٹما رہا تھا۔ وہاں میں نے جو نفرت انگیز و دلخراش نظارے دیکھے۔ انہیں یاد کر کے آج بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اطالیہ کے زندہ جاوید ڈنٹی نے دوزخ کا جو سین دکھایا ہے۔ اس سے کہیں ہولناک۔ کہیں پراشکراہ سین میری آنکھوں کے سامنے تھا۔ جا بجا نجاست اور غلاظت میں لپٹے ہوئے آدمی زمین پر پڑے ہوئے تھے۔ ان کے اعضاء انسانی تھے لیکن صورتیں مسخ ہو گئی تھیں۔ کوئی کتے سے مشابہ تھا۔ کوئی گیدڑ سے۔ کوئی بن بلاؤ سے ملتا تھا۔ کوئی سانپ سے۔ ایک گوشہ میں کوئی موٹا تازہ آدمی ایک نحیف و خستہ آدمی کے جگر میں منہ لگائے اس کا خون چوس رہا تھا۔ ایک طرف دو گدھ کی صورت والے انسان ایک کرم خوردہ لاش پر بیٹھے۔ پنجہ و منقار سے ایک دوسرے کو نوچ رہے تھے۔ ایک

جگہ ایک اژدہے کی صورت والا آدمی ایک بچے کو نگلنا چاہتا تھا۔ پر حلق میں کافی گنجائش نہ ہونے کے باعث بیتاب ہو کر زمین پر لوٹتا تھا اور چیختا تھا۔ ایک جگہ میں نے خون کو منجمد کرنے والا نظارہ دیکھا۔ دو ناگن کی شکل کی عورتیں ایک بھیڑیے کی صورت والے انسان کے گلے میں لپٹی ہوئی اُسے کاٹ رہی تھیں۔ اس کے بدن سے خون کے فوارے جاری تھے۔ مجھ سے اب اور نہ دیکھا گیا۔ فوراً وہاں سے بھاگا اور گرتا پڑتا اپنے کمرہ میں آ پہنچا۔ پیر مرد بھی میرے ساتھ چلے آئے۔ جب میرے ہوش ذرا بجا ہوئے تو انہوں نے کہا۔ تم اتنے جلد گھبرا گئے۔ ابھی تو ایک گوشہ بھی نہیں دیکھا۔ یہ تمہاری مالکہ کی سیرگاہ ہے۔ یہ ان کے پالتو جانور ہیں۔ ان کی حرکات دیکھ دیکھ کر خوش ہوتی ہیں۔ انہوں نے اس عجائب خانہ میں چن چن کر آدمی رکھے ہیں۔ تمہیں بھی اسی لیے منتخب کیا تھا۔ معلوم نہیں کیا بنانا چاہتی ہیں۔ وہ نت نئے جال بناتی رہتی ہے۔ اب کے کسی تعلیم یافتہ آدمی کو پھانسنا چاہتی تھی۔ اسی لیے پرائیویٹ سیکرٹری کا اشتہار دے رکھا تھا۔ اب میری یہی صلاح ہے کہ اسی وقت یہاں سے بھاگو ورنہ حسینہ کے دوسرے وار سے نہ بچ سکو گے۔

یہ کہہ کر پیر مرد غائب ہو گئے۔ میں نے ابھی اپنا بقچہ سنبھالا اور آدھی رات کے سناٹے میں چوروں کی طرح کمرہ سے باہر نکلا۔ فرحت بخش ہوائیں چل رہی تھیں۔ سامنے جھیل میں تارے تھرک رہے تھے